ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR

CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

اسلامی بینکاری میں ضمان وملکیت کے معاملات: مرابحہ، شرکتِ متناقصہ، اجارہ، سلم، استصناع اور تورق کا شریعتِ اسلامیہ کی روشنی میں جامع و تنقیدی جائزہ

بشیر احمد
PHD Scholar,Institute of Islamic Studies and Shariah, MY University, Islamabad
ڈاکٹر حافظ محمد رمضان
Assistant Professor,Institute of Islamic Studies and Shariah,MY University, Islamabad
muhammad.ramzan@myu.edu.pk

Abstract

Islamic banking has emerged as a significant and rapidly growing sector within the contemporary financial system, offering an alternative to conventional interest-based banking by adhering strictly to Shariah principles. The core objective of Islamic finance is to promote ethical, equitable, and interest-free economic transactions, avoiding prohibited elements such as riba (interest), gharar (uncertainty), and maysir (gambling). This research critically examines the application of key Islamic financial contracts—Murabaha, Diminishing Musharakah (Musharakah Mutanaqisah), Ijarah, Salam, Istisna, and Tawarruq—focusing particularly on the concepts of liability (Dhaman) and ownership (Milkiyah), which form the foundation of all Shariah-compliant financial transactions. The study reveals that while these contracts are designed to comply with Shariah, practical implementation often deviates from Islamic legal requirements. In Murabaha, lack of actual possession and guarantee by the bank transforms the transaction into a form resembling interest-based lending. In Diminishing Musharakah, although joint ownership is established, banks sometimes fail to assume real possession and responsibility, disrupting the balance of risk and reward. Ijarah contracts are frequently executed before banks acquire full ownership of the leased asset, violating Shariah conditions. Salam contracts often involve deferred payment or installment-based collection, undermining the contract's validity, while in Istisna, responsibility for defects and ownership transfer is sometimes improperly allocated. Tawarruq transactions similarly suffer from lack of actual possession, reducing transparency and risking non-compliance with Shariah. The findings highlight critical gaps in the practical application of Islamic banking principles, particularly concerning the transfer of ownership and assumption of liability, which can lead to unethical profit-making practices if unregulated. The study recommends implementing clear policies regarding possession and liability, ensuring transparency through documented procedures, strengthening Shariah supervisory mechanisms, and providing comprehensive training for both bank personnel and customers. These measures aim to enhance the compliance, transparency, and ethical foundation of Islamic banking, thereby ensuring that financial operations are genuinely aligned with Shariah principles and promote equitable economic justice.

اسلامی بینکاری عصرِ حاضر کے مالیاتی نظام کا ایک اہم اور تیزی سے ابھرتا ہوا شعبہ ہے، جو اپنی بنیاد میں شریعتِ اسلامیہ کے اصولوں پر قائم ہے۔ روایتی بینکاری نظام جہاں سود (ربا) پر مبنی ہے، وہیں اسلامی بینکاری کا بنیادی مقصد ایسے مالیاتی ذرائع اور طریقہ کار کو فروغ دینا ہے جو ربا، غرر (غیر یقینی صورتحال) اور میسر (جوا) جیسے ممنوعہ عناصر سے پاک ہوں۔ اسی تناظر میں اسلامی بینکاری نے مختلف شرعی عقود جیسے مرابحہ، شرکتِ متناقصہ، اجارہ، سلم، استصناع اور تورق کو اختیار کرتے ہوئے ایک متبادل مالیاتی نظام پیش کیا ہے، جو نہ صرف مذہبی تقاضوں کو پورا کرتا ہے بلکہ معاشی انصاف اور توازن کو بھی فروغ دیتا ہے۔

اسلامی مالیاتی نظام میں "ضمان (Liability) "اور "ملکیت (Ownership) " دو بنیادی اور کلیدی تصورات ہیں، جن پر تقریباً تمام مالیاتی معاملات کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ شریعتِ اسلامیہ کے مطابق کسی بھی مالیاتی معاملے کی درستگی کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس میں ملکیت حقیقی ہو اور اس کے ساتھ وابستہ خطرات (Risk) اور ذمہ داریاں بھی متعلقہ فریق کے پاس موجود ہوں۔ یعنی جس کے پاس نفع کا حق ہو، اسی کے ذمے نقصان کا خطرہ بھی ہونا چاہیے۔ یہی اصول "الغنم بالغرم" کے معروف قاعدے سے واضح ہوتا ہے، جو اسلامی معاشیات کا ایک بنیادی ستون ہے۔[1]

[1] ڈاکٹر اعجاز احمد صمدانی، اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ کا طریق کار (لاہور، ادارہ اسلامیات، 2006ء)، 52

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

اسلامی بینکاری کے موجودہ عملی نظام میں اگرچہ ان اصولوں کو اپنانے کی کوشش کی گئی ہے، تاہم مختلف معاملات میں ضمان اور ملکیت کے حوالے سے کئی عملی اور نظریاتی مسائل سامنے آئے ہیں۔ اسی پس منظر میں اس تحقیق کی ضرورت شدت سے محسوس کی گئی کہ اسلامی بینکاری میں رائج مختلف مالیاتی عقود کا تفصیلی اور تنقیدی جائزہ لیا جائے، خاص طور پر اس پہلو سے کہ ان میں ضمان اور ملکیت کے اصول کس حد تک شریعت کے مطابق نافذ ہو رہے ہیں۔ یہ تحقیق نہ صرف علمی و فقہی اعتبار سے اہم ہے بلکہ عملی طور پر بھی اسلامی بینکاری کے نظام کو بہتر بنانے میں معاون ثابت ہو سکتی ہے۔

اس مقالہ میں مرابحہ، شرکتِ متناقصہ، اجارہ، سلم، استصناع اور تورق جیسے اہم عقود کا جائزہ لیا گیا ہے اور یہ دیکھا گیا ہے کہ ان میں ملکیت کی منتقلی حقیقی ہے یا محض رسمی، اور کیا ضمان کی ذمہ داری واقعی اس فریق پر عائد ہوتی ہے جو شرعاً اس کا مستحق ہے۔ اس تحقیق میں ان مسائل کی نشاندہی کی گئی ہے جو اسلامی بینکاری کے موجودہ نظام میں پائے جاتے ہیں، اور ان کے حل کے لیے قابلِ عمل تجاویز بھی پیش کی گئی ہیں۔

ضمان وملکیت کا تعارف

ضمان:

ضمان لفظ "ضمن" سے نکلا ہے، اور اس کا لغوی معنیٰ، گارنٹی، ذمہ داری اور تحفظ کے آتے ہیں۔[1]

فقہ کی اصطلاح میں "ضمان" کا لفظ کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے لیکن دو معنوں میں مشہور ہے جو درج ذیل ہیں:

"ضمان" کا لفظ کفالہ کے معنی میں استعمال کرتے ہیں، یعنی ضامن کی ذمہ داری کو اس شخص کی ذمہ داری کے ساتھ ملانا جس کی ضمانت دی گئی ہے، تاکہ حق کے التزام (ذمہ داری) کو پورا کیا جا سکے۔

"ضمان" بمعنی غرم اور تاوان کے بھی ہے یعنی کہ انسان ان چیزوں کا معاوضہ (غرامہ) ادا کرے جنہیں اس نے براہ راست نقصان پہنچایا ہو یا جن کی نقصان یا خرابی کی صورت میں اس کی ذمہ داری اٹھائی جائے، اور اس تحقیق میں یہی معنی مقصود ہے۔ چنانچہ موسوعۃ فقہیہ کویتیہ میں ان تمام تعریفات کو یوں لکھا گیا ہے:

وقدوضعت له تعاريف شتى،تتناول هذه الإطلاقات في الجملة،أوتتناول بعضها، منها:
أ-أنه عبارة عن رد مثل الهالك، إن كان مثليا،أوقيمته إن كان قيميا
ب-وأنه عبارة عن غرامة التالف.
ج-وبالمعنى الشامل للكفالة كمايقول القليوبي:إنه التزام دين أو إحضار عين أو بدن؟
د.وفي مجلةالأحكام العدليةأنه إعطاءمثل الشيءإن كان من المثليات وقيمته إن كان من القيميات۔[2]

ترجمہ: اس کے لئے مختلف تعریفیں کی گئی ہیں، جو فی الجملہ ان اطلاقات یا ان میں سے بعض کو شامل ہوتی ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

ا۔ اگر ہلاک کرنے والی چیز مثلی ہو تو اس کے مثل کا لوٹانا، اور اگر قیمت والی ہو تو اس کی قیمت کا لوٹانا ضمان ہے۔

ب۔ اور ایک معنی تغریم (تاوان دینا) ہے، تم کہتے ہو: ضمنته الشنی تضمیناً جب تم اس پر تاوان لازم کرو اور وہ اسے تسلیم کرے۔

ج۔ اور ایک معنی کفالہ بھی ہے، جیسا کہ قلیوبی کہتے ہیں کہ دین کی ذمہ داری لینا یا کسی عین یا بدن کے حاضر کرنے کی ذمہ داری لینا ضمان ہے۔

د۔ ادر مجلۃ الاحکام العدلیہ میں ہے: کسی چیز کا مثل دینا اگر وہ مثلی ہو اور اس کی قیمت دینا اگر وہ قیمت والی ہو ضمان ہے۔

ضمان وہ التزام ہے جو نقصان کے وقوع پذیر ہونے پر اس کی ذمہ داری قبول کرنے کے لیے دیا جاتا ہے۔ یہ وسیع تعریف ان تمام صورتوں کو محیط کرتی ہے، اور یہی وہ مفہوم ہے جو "الربح بالضمان" (نفع کے ساتھ ضمان لازم ہے) کے قاعدے میں مراد ہے، جس کی مزید وضاحت آگے کی جائے گی۔

ملکیت:

عربی زبان میں "کفالت" کا لفظ "کفل" سے ماخوذ ہے، جس کے بنیادی معنی کسی چیز کی ذمہ داری لینا، کسی کی ضروریات پوری کرنا، یا کسی کا بوجھ اٹھانا ہیں۔ لغوی طور پر "ملکیت کا مطلب ہے کسی چیز پر تسلط حاصل کرنا۔ فقہی اصطلاح میں ملکیت کا مطلب ہے کسی شخص کا کسی چیز پر ایسا قانونی حق رکھنا کہ وہ اس سے نفع حاصل کر سکے اور اس میں تصرف کر سکے۔ امام کاسانیؒ فرماتے ہیں:

---

[1] وحید الزمان قاسمی کیرانوی، القاموس الوحید (لاہور، ادارہ اسلامیات، 2001ء)، 978

[2] موسوعہ فقہیہ کویتیہ، مادہ، ضمان (کویت، وزارت الاوقاف والشؤون الاسلامیۃ، 2002)، 28/220

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

الملک هواختصاص يثبت للإنسان على شيء بحيث يتمكن من الانتفاع به والتصرف فيه۔[1]

ترجمہ: جدید قانون کے مطابق: ملکیت کسی فرد یا ادارے کو کسی شے پر مکمل یا جزوی تصرف اور انتفاع کا قانونی حق ہے۔

ملکیت کی حقیقت کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں مکمل ملکیت اور ناقص ملکیت۔ مکمل ملکیت شئی کی ذات اور منفعت کا مالک ہونا ہے مثلاً آپ نے ایک گاڑی خرید لی اور اس پر قبضہ بھی کر لیا اور اس کو استعمال کر رہے ہوں تو یہ مکمل ملکیت ہے جبکہ ناقص ملکیت صرف شئی کی ذات یا صرف منفعت یا صرف انتفاع کا مالک ہوتا ہے مثلاً اسی مثال میں اگر گاڑی کی ذات کسی ایک کی ملکیت ہو اور منفعت کوئی اور لے رہا ہوں تو ملکیت ناقص ہے، پھر مکمل ملکیت کبھی ذاتی ہوگی اور کبھی اجتماعی، ذاتی ملکیت مثلاً کسی فرد کی ذاتی جائیداد، جیسے گھر، کپڑے، سامان وغیرہ۔ اور اجتماعی ملکیت مثلاً خاندان، ادارے یا کمپنی کی مشترکہ ملکیت۔ ملکیت حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ وراثت ہے۔ ایک شخص کے باپ کے پاس زمین تھی، جائیداد تھی، مال و دولت تھا۔ اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کی جائیداد اس کی اولاد میں منتقل ہو جائے گی۔ یہ انتقال ملکیت وراثت کی صورت میں ہوا ہے۔ جو شخص کسی کا وارث ہو اور شریعت کے احکام کی رو سے اس کو حق وراثت حاصل ہو وہ اپنے مورث کی جائیداد اور ممتلکات کا جائز مالک بن سکتا ہے اور شریعت اس کو جائز ملکیت تسلیم کرتی ہے۔

اسلامی بینکاری تعارف و بنیادی اصول

اسلامی بینکاری ایک ایسا مالیاتی نظام ہے جو شریعتِ اسلامیہ کے اصولوں کے مطابق تشکیل دیا گیا ہے اور جس کا بنیادی مقصد سود (ربا) سے پاک، منصفانہ اور اخلاقی معیشت کو فروغ دینا ہے۔[2] یہ نظام صرف مالی لین دین تک محدود نہیں بلکہ ایک جامع معاشی فکر کی نمائندگی کرتا ہے جس میں عدل، دیانت اور سماجی فلاح کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اسلامی بینکاری کا تصور قرآن و سنت کی تعلیمات سے ماخوذ ہے، جہاں تجارت کو جائز اور سود کو سختی سے ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اسلامی بینکاری چند بنیادی اصولوں پر قائم ہے، جو اسے روایتی بینکاری سے ممتاز کرتے ہیں:[3]

1۔ اسلامی بینکاری کا سب سے اہم اصول سود سے مکمل اجتناب ہے۔ قرآنِ کریم میں سود کو حرام قرار دیا گیا ہے، اس لیے اسلامی بینک کسی بھی صورت میں طے شدہ شرحِ سود پر قرض نہیں دیتے بلکہ منافع اور نقصان میں شراکت کے اصول کو اپناتے ہیں۔

2۔ ایسے تمام معاملات جن میں غیر یقینی، دھوکہ یا ابہام ہو، اسلامی بینکاری میں ممنوع ہیں۔ معاہدے واضح، شفاف اور مکمل معلومات پر مبنی ہونے چاہئیں تاکہ کسی فریق کے ساتھ ناانصافی نہ ہو۔

3۔ اسلامی بینکاری میں ایسے تمام مالیاتی لین دین ممنوع ہیں جو جوا یا قیاس آرائی (Speculation) پر مبنی ہوں۔ اس کا مقصد معیشت کو غیر یقینی اور خطرناک سرگرمیوں سے محفوظ رکھنا ہے۔

4۔ اسلامی بینکاری میں مالی لین دین کو کسی حقیقی اثاثے یا خدمت کے ساتھ منسلک ہونا ضروری ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ محض کاغذی یا فرضی لین دین کی اجازت نہیں ہوتی بلکہ حقیقی معیشت سے تعلق لازمی ہوتا ہے۔

5۔ اسلامی مالیات کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ منافع کے ساتھ ساتھ نقصان بھی برداشت کیا جائے۔ یعنی جس فریق کو نفع حاصل ہوتا ہے، اسے نقصان کے خطرے میں بھی شریک ہونا چاہیے۔

6۔ اسلامی بینکاری میں یہ ضروری ہے کہ کسی بھی معاہدے میں ملکیت حقیقی ہو اور اس کے ساتھ وابستہ خطرات بھی متعلقہ فریق کے ذمہ ہوں۔ یہ اصول اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ منافع صرف اسی کو حاصل ہو جو واقعی ذمہ داری اور خطرہ برداشت کرے۔

7۔ اسلامی بینک اپنی سرمایہ کاری صرف ان شعبوں میں کرتے ہیں جو شریعت کے مطابق جائز ہوں، جیسے شراب، جوا، سودی کاروبار یا دیگر ممنوعہ سرگرمیوں میں سرمایہ کاری کی اجازت نہیں ہوتی۔

[1] بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب الضمان، جلد 5/ 129

[2] ڈاکٹر محمد ایوب، اسلامی مالیات (رفاہ سنٹر آف اسلامک بزنس، اسلام آباد، 2010)، 300

[3] ڈاکٹر محمد ایوب، اسلامی مالیات، اسلامی بینکاری اصول و تطبیق (کراچی، حق، 2010ء)، 447

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW

CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

مرابحہ اور شرکتِ متناقصہ میں ضمان وملکیت کا تنقیدی جائزہ

مرابحہ:

"مرابحہ" عربی زبان کا لفظ ہے، جس کا مادہ "ر-ب-ح" ہے۔ اس کے لغوی معنی "نفع حاصل کرنا" یا "منافع والی تجارت" کے ہیں۔ امام سرخسیؒ فرماتے ہیں:

المرابحة: أن يبيعه ما اشترى بمثل ثمنه وزيادة ربح معلوم[1]

ترجمہ: مرابحہ وہ بیع ہے جس میں فروخت کنندہ خریدار کو اصل قیمت اور نفع کی مقدار بتا کر سامان فروخت کرتا ہے۔

اسلامی مالیاتی نظام میں مرابحہ ایک نہایت اہم اور کثرت سے استعمال ہونے والا طریقہ کار ہے۔ یہ بظاہر خرید و فروخت پر مبنی معاہدہ ہے، جس میں بینک کسی چیز کو خرید کر نفع کے ساتھ مؤخر ادائیگی پر گاہک کو فروخت کرتا ہے۔ لیکن عملی بینکاری میں مرابحہ کے اطلاق میں بعض ایسی شرعی خامیاں سامنے آئی ہیں جن میں سب سے نمایاں 'شرعی قبضہ اور ضمان کے منتقلی' کا فقدان ہے۔ شریعتِ اسلامیہ کے مطابق کوئی بھی چیز اس وقت تک فروخت نہیں کی جاسکتی جب تک فروخت کنندہ نے اس پر قبضہ نہ کر لیا ہو۔ حضرت رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

من ابتاع طعاما فلا يبيعه حتى يستوفيه[2]

ترجمہ: یعنی جو شخص کوئی چیز خریدے، وہ اس وقت تک اسے فروخت نہ کرے جب تک کہ اسے پورا قبضہ نہ مل جائے۔

اس حدیث کی روشنی میں قبضہ بیع کے جواز کے لیے ایک لازمی شرط ہے۔ اسی طرح شریعت مطہرہ نے نفع کمانے کی ان تمام صورتوں کو منع کیا ہے جس میں بیچنے والا اس چیز کا ضمان برداشت نہیں کرتا اور اس کے ضمان میں نہ آیا ہو۔ اسی طرح تمام مکاتبِ فکر اس بات پر متفق ہیں کہ بیع کے جواز کے لیے قبضہ لازم ہے۔ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے اقوال اس بات پر واضح ہیں، یعنی جو چیز ابھی ذمہ داری میں نہ ہو، وہ قبضہ سے پہلے فروخت نہیں کی جاسکتی۔ لہٰذا موجودہ اسلامی بینکاری نظام میں بھی اگر مرابحہ کی شرائط کا لحاظ نہیں رکھا جائے گا اور تو وہ معاملہ شرعی عقد سے نکل کر سودی معاملہ ہو جائے گا، کیونکہ جب بینک کسی چیز کو خریدے بغیر یا اس پر قبضہ کیے بغیر نفع لیتے ہیں تو حقیقت میں وہ صرف 'پیسے دے کر زیادہ پیسے لینے' کا عمل ہوتا ہے، جو کہ سود کی تعریف میں آتا ہے۔ اگر مرابحہ میں قبضہ نہ ہو تو یہ معاملہ قرض پر نفع لینے کی مانند ہو جاتا ہے۔ یوں یہ مرابحہ کی بجائے سودی قرض کی شکل اختیار کر لیتا ہے جو شریعت میں سخت ممنوع ہے۔

شرکتِ متناقصہ:

شرکت متناقصہ ایک شریعت کے مطابق مالیاتی معاہدہ ہے جس میں بینک اور صارف (کلائنٹ) مل کر کسی اثاثے کی ملکیت میں شریک ہوتے ہیں، اور صارف بینک کے حصے کو وقت کے ساتھ خریدتا جاتا ہے تاکہ آخر کار وہ مکمل مالک بن جائے۔ یہ معاہدہ خاص طور پر اسلامی رہن (Islamic mortgage) میں استعمال ہوتا ہے۔

A Diminishing Musharakah is a form of partnership in which one of the partners undertakes to buy the share of the other partner in stages, thereby increasing his ownership until he becomes the sole owner."[3]

ترجمہ: شرکتِ متناقصہ ایک شراکت کی شکل ہے جس میں ایک شریک دوسرے شریک کے حصے کو مرحلہ وار خریدنے کا عہد کرتا ہے، اور یوں وہ بتدریج مکمل ملکیت حاصل کر لیتا ہے۔

Diminishing Musharakah is a form of partnership in which one of the partners promises to buy the share of the other partner gradually until the entire ownership is transferred to him."[4]

---

[1] محمد بن أحمد السرخسي، المبسوط، کتاب الإقرار، باب ما يثبت بالإقرار، (بیروت، دار المعرفة، 1999ء)، 13/216

[2] بخاری، صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب ما يذكر في بيع الطعام والحكرة، 2/234، رقم الحديث، 2132

[3] AAOIFI, Shariah Standards, Standard No. 12، Diminishing Musharakah, Bahrain, 2021 Edition

[4] Mufti Taqi Usmani, An Introduction to Islamic Finance, Idaratul Ma'arif, Karachi, 2002, p. 55.

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR

ترجمہ: شرکت متناقصہ ایک ایسی شراکت کی صورت ہے جس میں شریکوں میں سے ایک دوسرے شریک کے حصے کو تدریجاً خریدنے کا وعدہ کرتا ہے، یہاں تک کہ پوری ملکیت اس کے نام منتقل ہو جائے۔

ڈاکٹر عمران اشرف عثمانی شرکت متناقصہ کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

Another form of Musharakah, developed in the near past, is 'Diminishing Musharakah'. According to this concept, a financier and his client participate either in the joint ownership of a property or an equipment, or in a joint commercial enterprise. The share of the financier is further divided into a number of units and it is understood that the client will purchase the units of the share of the financier one by one periodically, thus increasing his own share until all the units of the financier are purchased by him so as to make him the sole owner of the property, or the commercial enterprise, as the case may be[1]-

ترجمہ: مشارکہ کی ایک اور شکل، جو ماضی قریب میں تیار ہوئی، وہ ہے 'کم کرنا مشاعرہ'۔ اس تصور کے مطابق، ایک فنانسر اور اس کا مؤکل یا تو کسی پراپرٹی یا آلات کی مشترکہ ملکیت میں، یا مشترکہ تجارتی ادارے میں حصہ لیتے ہیں۔ فنانسر کا حصہ مزید کئی اکائیوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ کلائنٹ وقتاً فوقتاً ایک ایک کر کے فینانسر کے حصے کی اکائیاں خریدے گا، اس طرح اپنا حصہ اس وقت تک بڑھاتا رہے گا جب تک کہ فنانسر کی تمام اکائیاں اس کے ذریعہ نہ خرید لی جائیں تاکہ اسے جائیداد کا واحد مالک بنایا جا سکے، یا تجارتی ادارے، جیسا کہ معاملہ ہو سکتا ہے۔

یہ زیادہ تر ہاؤس فنانسنگ میں استعمال ہوتا رہا ہے۔ کلائنٹ ایک گھر خریدنا چاہتا ہے جس کے لیے اس کے پاس مناسب رقم نہیں ہے۔ وہ فنانسر سے رابطہ کرتا ہے جو مطلوبہ گھر کی خریداری میں اس کے ساتھ حصہ لینے پر راضی ہوتا ہے۔ قیمت کا 20٪ کلائنٹ اور 80٪ قیمت فنانسر ادا کرتا ہے۔ اس طرح، فنانسر گھر کے 80٪ کا مالک ہے جبکہ کلائنٹ کے پاس 20٪ ہے۔ مشترکہ طور پر جائیداد خریدنے کے بعد، کلائنٹ اپنی رہائشی ضرورت کے لیے گھر کا استعمال کرتا ہے اور جائیداد میں اپنا حصہ استعمال کرنے کے لیے فنانسر کو کرایہ ادا کرتا ہے۔ ایک ہی وقت میں، فنانسر کا حصہ مزید آٹھ برابر یونٹوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ شرکت متناقصہ کی تعریف اور وضاحت سے معلوم ہوا کہ شرکت کی اس قسم میں بینک اور کلائنٹ مشترکہ طور پر ایک اثاثے کا مالک بن جاتے ہیں اور اس بعد کرایہ داری اور انتقال ملکیت کے معاہدہ ہوتا ہے۔

لہذا سب سے پہلے بینک کی شرکت قائم ہوتی ہے اب یہ شرکت یا تو کلائنٹ اور بینک ملکر ایک اثاثہ خرید کر قائم کرتے ہیں مثلاً بینک 80 فیصد اور کلائنٹ نے ۲۰ فیصد حصہ ملایا اور ایک مکان خریدا اس طرح دونوں میں شرکت ملک قائم ہو گئی، یا دوسری صورت یہ ہے کہ کلائنٹ کے پاس موجود پلاٹ پر مکان کی تعمیر کا خرچہ بینک کر لیتا ہے اور اس طرح دونوں میں ملکیت قائم ہو جاتی ہے، اس صورت میں ایک تو ملکیت الگ الگ واضح ہونی چاہیے اور کاغذات میں اندراج کے علاوہ قبضہ اور ضمان میں بھی منتقل ہونی چاہیے باقی قبضہ اور ملکیت تخلیہ سے بھی ہو تا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، نفع کا تناسب تو شرعاً آپس کی رضامندی سے طے کیا جا سکتا ہے لیکن نقصان کی صورت میں بقدر ملکیت اور ضمان نقصان برداشت کرنا پڑے گا، اسی طرح دونوں اپنے حصے کے بقدر ذمہ داریاں، اخراجات اور اور واجبات برداشت کرینگے، کیونکہ اس میں اگر سارا خرچہ کلائنٹ پر ڈالا جائے گا تو شرعاً درست نہیں ہو گا کیونکہ اس میں دونوں شریک ہے اور دونوں کو اپنے ملکیتی حصہ کے بقدر تمام اخراجات برداشت کرنی پڑے گی۔ مشہور مالکی فقیہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

فإذا حصلت خسارة، وُزّعت على الشركاء بقدر رؤوس أموالهم، لا يجوز غير ذلك[2]

ترجمہ: جب نقصان ہو، تو وہ شراکت داروں کے درمیان ان کے سرمائے کے تناسب سے تقسیم کیا جائے گا، اس کے علاوہ کوئی اور صورت جائز نہیں۔

اسی طرح مشہور حنفی علام علامہ سرخسی اس حوالہ سے مزید وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں کہ نقصان سرمائے کے حساب سے ہو گا اور اس کے خلاف کسی قسم کا شرط قابل قبول نہیں ہو گا۔

---

[1] Dr Imran Ashraf Usmani, Meezan bank guide to Islamic Banking, (Karachi, Darul Ishaat 2002), 115

[2] ابن قدامہ، المغني، 25/5

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

الخسارة تتبع رأس المال ولا يجوز شرط خلاف ذلك[1]

ترجمہ: نقصان سرمائے کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے، اور اس کے خلاف شرط رکھنا جائز نہیں۔

لہذا نقصان کی صورت میں بقدر حصہ نقصان برداشت کرناپڑے گا اس بات کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے اور اس کے خلاف کسی قسم کی شرط لگانا جائز نہیں۔ ڈاکٹر محمد ایوب اپنی کتاب میں اس حوالے سے لکھتے ہیں:

شرکۃ الملک میں مقصد کاروبار کے ذریعے نفع کمانا نہیں ہوتا اس لیے لازمی نہیں ہے کہ تقسیم نفع کی نسبت طے کی جائے بلکہ ہر حصہ دار ملکیت میں اپنے تناسب کے لحاظ سے مشترکہ پراپرٹی کے خطرے اور سے (Risk & Reward) کا مالک ہو گا البتہ چونکہ ایک شریک اپنا حصہ دوسرے حصہ دار کو لیز پر دے سکتا ہے، وہ اُس پر کرایہ بھی لے سکتا ہے۔ متاجر پارٹنر جو اثاثے کے ایک حصے کا مالک ہے اپنے حصے کا صلہ اس طرح لے گا کہ اُس کے عوض اسے کوئی کرایہ نہیں دینا ہو گا۔ چونکہ وہ مرحلہ وار دوسرے شریک کا حصہ خرید تا جائے گا، اس پر واجب ہونے والا کرایہ کم ہو تا جائے گا۔ دونوں فریق اپنے ملکیتی تناسب سے ملکیت سے متعلقہ اخراجات اور واجبات برداشت کریں گے۔[2]

لہذا شرکت متناقصہ میں ایک تو بنیادی طور شرکت ملک قائم کی جاتی ہے لہذا اس میں حقیقی معنوں شرکت ہو دوسرا یہ کہ شرکت کے بعد ہر شریک اپنے حصہ اور ملکیت کے بقدر اخراجات اور ذمہ داریاں بھی برداشت کرے گا۔ شرکتِ متناقصہ میں بعض دفعہ بینک کوئی حقیقی قبضہ نہیں لیتا، بلکہ صرف کاغذی ملکیت رکھتا ہے۔ اس کی وجہ سے بینک مالک ہونے کے باوجود نہ قبضہ کرتا ہے، نہ ذمہ داریاں لیتا ہے۔ حالانکہ شریعت کے مطابق، بیع یا اجارہ سے پہلے قبضہ حاصل کرنا لازمی شرط ہے۔ لہذا شرکت متناقصہ میں اگر بینک مالک ہونے کے باوجود کسی بھی نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوتا (مثلاً: آگ، زلزلہ، خرابی وغیرہ) اور صرف کرایہ وصول کرتا ہے تو یہ غیر شرعی اجارہ بن جاتا ہے، چنانچہ مشہور مالکی فقیہ علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

الربح فرع عن الضمان، فمن لم يضمن لم يربح[3]

ترجمہ: ربح ضمان کا فرع ہے جہاں ضمان نہیں ہو گا وہاں ربح یعنی نفع بھی نہیں ہو گا۔

لہذا جب تک وہ سامان بینک کے ضمان اور ملکیت میں نہیں آئے اس وقت تک اس پر نفع کمانا درست نہیں، عموماً اس میں کوتاہی پائی جاتی ہے اور بغیر کسی کاروائی کے محض کاغذی طور پر معاملات کو سرانجام دیا جاتا ہے، جس سے کئی خرابیاں وجود میں آتی ہیں۔

اجارہ، سلم اور استصناع میں ضمان وملکیت کا تنقیدی جائزہ

اجارہ:

اسلامی بینکاری میں رائج اجارہ (Ijarah) ایک ایسا معاہدہ ہے جس میں کوئی فریق (کمپنی یا بینک) کسی شے (مثلاً: گاڑی، مکان یا مشینری) کو مخصوص مدت کے لیے کرایہ پر دیتا ہے، جب کہ ملکیت کرایہ پر دینے والے کی ہی رہتی ہے۔ یہ ایک شرعی جائز متبادل ہے روایتی لیزنگ کا، بشرطیکہ اس میں شریعت کے تمام اصولوں کی پابندی کی جائے۔

الاجارةلغةً من الأجر، وهوالعوض و شرعاً: الإجارة عقد على منفعة معلومة بعِوض معلوم[4]

ترجمہ: اجارہ ایک ایسا معاہدہ ہے جو کسی معلوم نفع کے بدلے میں معلوم عوض پر ہوتا ہے۔

بینک بعض اوقات اجارہ کا معاہدہ اثاثہ کی مکمل ملکیت حاصل کیے بغیر کرلیتے ہیں اور صارف سے کرایہ لیناشروع کردیتے ہیں۔ فقہاء کے نزدیک اجاوتاہے اور چونکہ یہ طریقہ کار (Procedure) بذات خود خلاف شریعت نہیں، لئے اسلامی بینکوں میں اُسی طرح برقرار رکھا گیا ہے۔ اس وقت تک صحیح نہیں جب تک مؤجر (بینک) کو اثاثے کی مکمل ملکیت اور قبضہ حاصل نہ ہو۔

---

[1] السرخسی، المبسوط، 11/152

[2] ڈاکٹر محمد ایوب، اسلامی مالیات، اسلامی بینکاری اصول و تطبیق، (کراچی، حق، 2010ء)، ص، 447

[3] ابن قدامہ، المغنی، 5/23

[4] الزحیلی، الدکتور وھبۃ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، 5/ 381

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

من شرط صحةالإجارةأن يكون العين المؤجرة مملوكة للمؤجر أو مأذونا له بالإجارة[1]

ترجمہ: اجارہ کے صحیح (درست) ہونے کی شرط یہ ہے کہ جو چیز کرائے پر دی جا رہی ہے وہ مؤجر (کرایہ پر دینے والے) کی ملکیت ہو یا اسے مالک کی طرف سے اس چیز کو کرائے پر دینے کی اجازت حاصل ہو۔

لہذا اسلامی بینکاری میں رائج اجارہ میں ضروری ہے کہ وہ اثاثہ بینک کی ملکیت میں آئے تب بینک کے لیے آگے اس کو اجارے کا عقد کرنا درست ہو گا، رائج اجارے کے عقد میں عموماً چونکہ ایسا ہوتا ہے کہ بینک کلائنٹ کو ہی سامان خریدنے کا وکیل بناتا ہے، لہذا سب سے پہلے کلائنٹ جب اس اثاثے کو خریدے گا تو وہ بینک کی طرف سے وکیل ہی کی حیثیت سے خریدے گا اور بینک کے لیے خیریدنے کے بعد وہ بینک کو باقاعدہ آفر کرے گا کہ وہ چیز میں نے وکیل کی حیثیت سے خرید لی اب آپ اس کو اپنی ملکیت اور ضمان میں لے آئے، لہذا سب سے پہلے بینک کا اس اثاثے کو اپنی ملکیت اور زمان میں لانا ضروری ہے۔ مشہور حنفی فقیہ امام سرخسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والمنفعة لا تملك إلا بالعقد، فلا يجوز أخذ الأجرة قبل تمام العقد[2]

ترجمہ: منفعت کا مالک بننا عقد سے پہلے ممکن نہیں، لہذا عقد سے پہلے اجرت لینا جائز نہیں۔

اسی طرح مجمع فقہ اسلامی کے ایک فیصلے میں اسلامی بینکوں کو اس بات کا پابند بنایا کہ جب تک وہ سامان پر قبضہ نہ کرے اس وقت تک اس کو کرایہ پر دینا درست نہیں۔

لا يجوز للمصرف أن يتقاضى الأجرة قبل تملكه للعين المؤجرة وقبل دخوله في عقد الإجارة مع العميل[3]

ترجمہ: بینک کے لیے جائز نہیں کہ وہ کرایہ وصول کرے جب تک وہ اثاثہ کا مالک اور قابض نہ بن جائے، اور جب تک اجارہ کا معاہدہ مؤجر و مستاجر کے درمیان نہ ہو۔

اسی طرح شیخ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے اس حوالے سے اپنی کتاب میں وضاحت کی ہے:

"عض اسلامی بینکوں کی غلطی یہ ہے کہ وہ اجارہ کا کرایہ اس وقت سے چارج کرتے ہیں جب بینک نے اثاثہ خریدا ہی نہیں یا قبضہ حاصل نہیں کیا۔ یہ صریح ناجائز ہے۔"[4]

سلم:

سلم ایک ایسی بیع ہے جس کے ذریعے بائع یہ ذمہ داری قبول کرتا ہے کہ وہ مستقبل کی کسی تاریخ میں متعین چیز خریدار کو فراہم کرے گا اور اس کے بدلے میں مکمل قیمت بیچ کے وقت ہی پیشگی لے لیتا ہے۔ یہاں قیمت نقد ہے لیکن مبیع کی ادائیگی مؤجل اور مؤخر ہے، خریدار کو رب السلم اور بائع کو مسلم الیہ اور خریدی ہوئی چیز کو مسلم فیہ کہا جاتا ہے۔ سلم کی خود رسول اللہ ﷺ نے مخصوص شرائط کے ساتھ اجازت دی تھی، جس کا مقصد بنیادی طور پر چھوٹے کاشتکاروں کی ضرورت کو پورا کرنا تھا، تاکہ فصل پکنے تک اپنی ضروریات پورا کرنے کے لئے رقم مہیا کر سکے۔ ارشاد گرامی ہے۔

مَن أسلَفَ فليُسلف في كيلٍ معلومٍ، ووزنٍ معلومٍ، إلى أجلٍ معلومٍ[5]

ترجمہ: جس شخص نے سلم کیا، تو اسے چاہیے کہ معلوم مقدار (کیل)، معلوم وزن، اور معلوم مدت کے ساتھ سلم کرے (یعنی ان چیزوں کو متعین کرلے۔

یہ حدیث بیع سلم (Salam Sale) کے بنیادی ارکان کو بیان کرتی ہے۔ بیع سلم ایک ایسا معاہدہ ہے جس میں خریدار (مُسلِم) کسی مستقبل کی تاریخ پر مخصوص معیار اور مقدار کے سامان کی فراہمی کے عوض قیمت فوراًادا کرتا ہے۔ چونکہ یہ معاملہ ایک ایسی چیز سے متعلق ہوتا ہے جو معاہدے کے وقت موجود نہیں ہوتی،

---

[1] کاسانی، بدائع الصنائع، 4/174

[2] السرخسی، المبسوط، 11/218

[3] مجمع الفقه الإسلامي الدولي، قرارات المجمع الفقهي، 4/110

[4] عثمانی، اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ص، 215

[5] بخاری، صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب بیع السلم، رقم الحدیث، 2240

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

اس لیے شریعت نے اس کے جواز کے لیے کچھ سخت شرائط عائد کی ہیں تا کہ جہالت (غرر) اور نزاع (جھگڑے) سے بچا جاسکے۔ سلم کے جائز ہونے کے لئے ضروری ہے کہ خریدار پوری قیمت عقد کے وقت ادا کر دے۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ اگر عقد کے وقت خریدار قیمت کی مکمل ادائیگی نہ کرے تو یہ دین کے بدلے دین کی بیچ کے مترادف ہو گا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتا منع فرمایا۔ علاوہ ازیں سلم کے جواز کی بنیادی حکمت بائع کی فوری ضرورت کو پورا کرنا ہے اگر قیمت اسے مکمل طور پر ادا نہیں کی جاتی تو عقد کا بنیادی مقصد فوت ہو جائے گا، باقی آئمہ ثلاثہ یعنی حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ تینوں کے نزدیک جواز سلم کے لئے مجلس عقد میں قبضہ کرنا شرط ہے، لیکن امام مالک یہ فرماتے ہیں کہ اگر مسلم کی مدت لمبی ہے یعنی مسلم فیہ کے دینے کی مدت لمبی ہے اور راس المال تین دن کے اندر ادا کر دیا جائے تو عقد ی ہو جائے گا۔ خاص طور سے بینکوں کے اندر جو ادائیگی ہوتی ہے وہ چیکوں کے ذریعہ ہوتی ہے، اور چیک تو قبضہ نہیں ہے کیونکہ اس میں تین دن سے پہلے وصولیابی ممکن نہیں ہے۔ خاص طور سے بین الاقوامی معاملات میں تین دن تو لازمی لگتے ہیں، اگر یہ گنجائش نہ ہوتی تو چیک کے ذریعہ سلم کا کوئی امکان نہیں تھا۔ چنانچہ معاییر میں مالکی مسلک کو اختیار کر کے یہ مسئلہ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

يشترط قبض رأس مال السلم في مجلس العقد، ويجوز تأخيره ليومين أوثلاثةبحدأقصى ولو بشرط، على أن لا تكون مدة التأخير مساوية أو زائدة عن أجل تسليم المسلم فيه[1]

ترجمہ: مجلس عقد میں مسلم کے رأس المال کو قبضہ کرنا شرط ہے اور دو یا تین دن کم سے کم مدت کے لیے تاخیر جائز ہے اور یہ جواز اس شرط کے ساتھ ہے کہ تاخیر کی مدت مسلم فیہ کی حوالگی کی مدت کے برابر یا اس سے زائد نہ ہو۔

لیکن عموماً موجودہ بنکاری نظام یا تو ادائیگی میں تاخیر ہوتی ہے یا متوازی سلم میں کلائنٹ سے رقم قسطوں میں وصول کی جاتی ہے جو شرعاً درست نہیں بلکہ اسی مجلس میں راس المال ادا کرنا یا وصول کرنا ضروری ہے، اس میں کوتاہی عقد سلم کو فاسد کر دیتی ہے اور ایک غیر شرعی معاملہ وجود میں آتا ہے۔ متوازی سلم میں بینک پہلے مرحلے میں خریدار ہے لہذا پہلے مرحلے میں اس کو سامان پر قبضہ کرنا ضروری ہے تب جا کر اسے آگے بیچ سکتا ہے عموماً اس مرحلے میں بینک نہ تو مال وصول کرتا ہے، نہ اس پر قبضہ کرتا ہے، بلکہ آڈر دیتے وقت ہی آگے بیچنے کا عقد کر لیتا ہے جو شرعاً درست نہیں، کیونکہ اس صورت میں جو بھی نفع کمایا جائے گا اور وہ "ربح مالم یضمن" کی صورت بن جائے گا یعنی ضمان اور ملکیت کے بغیر نفع کمانا جو ناجائز ہے۔ لہذا بائع یعنی رب السلم کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ قبضہ کرنے سے پہلے سامان کو بیچے، البتہ وہ اس سامان کے بارے میں وعدہ کر سکتا ہے کہ جیسے ہی وہ چیز میرے قبضے میں آئے گی میں آپ کو فروخت کر دوں گا اور اس بارے میں فقہاء کی یہ عبارت ملتی ہے:

ولايجوزالتصرف في رأس المال و المسلم فيه قبل القبض[2]

ترجمہ: جب تک رأس المال پر (بائع کا) اور مسلم فیہ پر (مشتری کا قبضہ نہ ہو جائے اس میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔

چنانچہ معاییر میں بھی اسی بنیاد پر کہا گیا ہے کہ:

لا يجوزللمسلم (المشتري) أن يبيع المسلم فيه قبل قبضه[3]

ترجمہ: مشتری کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ مسلم فیہ پر قبضہ کرنے سے پہلے اسے آگے فروخت کرے۔

اسی طرح بینکوں میں رائج سلم میں بسا اوقات بینک دونوں معاہدات کو غیر مشروط ظاہر کرتا ہے، مگر حقیقت میں دوسرا معاہدہ پہلے کی کامیابی پر منحصر ہوتا ہے۔ یہ بھی شرعی مکر و فریب کے زمرے میں آتا ہے، جس میں اصل عقد کو بظاہر برقرار رکھا جاتا ہے، مگر مقصد سودی نفع ہوتا ہے۔

استصناع:

استصناع باب استفعال سے ہے اس میں طلب کا معنی پایا جاتا ہے۔ لغت میں استصناع کا معنی طلب صنعت ہے یعنی کسی سے کوئی چیز بنوانا۔

طلب عمل چيزخاص على وجه مخصوص مادته من الصانع[4]

ترجمہ: کسی خاص چیز کو خاص طریقے پر تیار کرنے کا آرڈر دینا جس کا مادہ (مٹیریل) بنانے والا ہی مہیا کرے۔

---

[1] ابن قاضی، جامع الفصولین، الفصل الثامن عشر في بيع السلم، 1/237

[2] المرغینانی، الھدایہ، 3/98

[3] المعايير الشرعية، مادة السلم، 1/45

[4] الکاسانی، بدائع الصنائع، 5/6

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

جبکہ ڈاکٹر وحبہ الزحیلی نے اس کی تعریف کچھ یوں کی ہے:

هو عقد مع صانع على عمل شيء معين في الذمة[1]

ترجمہ: یعنی استصناع ایک چیز کی خریداری کا عقد ہے جسے صنعت کار بناتا ہے۔

اس چیز کا مٹیریل اور کام صنعت کار کی طرف سے ہوتا ہے اگر مٹیریل خریدار کی طرف سے ہو تو یہ استصناع نہ رہے گا بلکہ اجارہ بن جائے گا۔ جو شخص بنوانے کا آرڈر دے اسے "مستصنع" اور جو بنانے کا عقد کرے اسے صانع" کہتے ہیں۔ اگر صانع مطلوبہ چیز کو تیار کر رہا ہو اور تکمیل سے قبل ہی وہ چیز تباہ ہو جائے یا خراب ہو جائے، تو اس نقصان کا ذمہ دار کون ہو گا؟ جمہور فقہاء، بالخصوص احناف کے نزدیک، استصناع میں ضمان کا اصول یہ ہے کہ جب تک صانع تیار شدہ چیز کو مستصنع کے حوالے نہیں کر دیتا، اس وقت تک اس چیز کا ضمان صانع پر **ہوتا ہے**۔ اگر چیز اس کی تحویل میں تلف ہو جائے تو نقصان صانع کا ہے اور اسے دوبارہ چیز تیار کر کے دینی ہو گی۔ یہ اس لیے ہے کہ چیز کی ملکیت اور اس پر قبضے کی بنیاد پر ذمہ داری (Liability based on ownership and possession) صانع کی ہی ہوتی ہے۔ چنانچہ علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

المصنوع يبقى على ملك الصانع إلى حين التسليم الفعلي[2]

ترجمہ: یعنی استصناع کے معاہدے میں ملکیت کی منتقلی تسلیم (حوالگی) سے مشروط ہے

جب تک صانع سامان خریدار کو حوالہ نہیں کرے گا اس وقت تک یہ صانع یعنی بنانے والے کی ملکیت میں ہو گا۔ اگر تیار شدہ چیز مطلوبہ اوصاف (Agreed Specifications) کے مطابق نہ ہو، یا اس میں کوئی عیب (Defect) ہو، تو ذمہ دار کون ہو گا؟ استصناع کے معاہدے میں یہ ایک بنیادی شرط ہے کہ چیز گاہک کی مطلوبہ تفصیلات اور اوصاف کے مطابق ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو مستصنع کو اسے رد کرنے کا حق (Right of Rejection) حاصل ہوتا ہے یا وہ عیب دور کرنے کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ یہ ضمانت (Guarantee) صانع کی ذمہ داری ہے، جہاں تک استصناع میں "خیار الرؤیہ" (چیز کو دیکھنے کے بعد قبول یا رد کرنے کا حق) کے حق تعلق ہے اس میں تو فقہا کرام نے گنجائش دی ہے کہ یہ حق مستصنع کو دینا صانع کے ساتھ زیادتی کے مترادف ہے کہ اس نے اتنا خرچہ کیا ہے اور اب اس حق کو استعمال کر کے سامان کو واپس کر دے اس طرح صانع کو بڑا نقصان ہو گا البتہ "خیار العیب" (عیب کی صورت میں رد کرنے کا حق) کے حق کو تسلیم کیا گیا ہے۔ چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں:

وإذا وجد المشتري بالمصنوع عيبًا، فله الخيار، كما في البيع[3].

ترجمہ: جب خریدار تیار شدہ چیز میں کوئی عیب پائے، تو اسے اختیار حاصل ہے رد کرنے کا، جیسے بیع میں ہوتا ہے۔

متوازی استصناع میں بینک خود چیز نہیں بناتا، اس لیے اگر تیار شدہ چیز میں عیب نکلتا ہے تو بینک کو ہی اس کی ذمہ داری گاہک کے سامنے قبول کرنا پڑے گا ہے اور پھر وہ اس ذمہ داری کو اصلی مینوفیکچرر پر منتقل کرے گا۔ لیکن اگر بینک عیب کی صورت میں خریدار کو خود اصل مینوفیکچر کی طرف بھیج دے اور کو د کوئی ذمہ داری نہ لے تو یہ درست نہیں، کیونکہ وہ صانع ہے اور صانع پر اس چیز کی مطلوبہ صفات کے ساتھ حوالگی لازم ہے۔

تورق میں ضمان وملکیت کا تنقیدی جائزہ

ورق (راء کے زیر کے ساتھ) کے معنی چاندی کے سکہ کے ہیں، عربی زبان کے قائدہ کے مطابق اس کے طلب کرنے کو تورق" کہتے ہیں دیکھئے۔[4] تورق فقہاء کی اصطلاح میں تورق یہ ہے کہ انسان کوئی چیز اُدھار خریدے، پھر اسے فروخت کنندہ کے بجائے کسی اور کے ہاتھ نقد قیمت خرید اری سے کم میں فروخت کر دے تاکہ اسے نقد رکم حاصل ہو جائے۔

أن يشترى المرء سلعةنسيئة،ثم يبيعها نقداًلغيرالبائع بأقل مما اشتراها به ليحصل بذلك على النقد[5]

---

[1] الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، 5/353

[2] الکاسانی، بدائع الصنائع، 2/5

[3] ابن عابدین، رد المحتار، 5/712

[4] ابن منظور، لسان العرب، 10/375

[5] کتاب یساکونک عن المعاملات المالیۃ المعاصرۃ-بیع العینۃ وبیع التورق-المکتبۃ الشاملۃ، ص55

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

اس تعریف سے ظاہر ہوا کہ تورق میں خرید وفروخت کے دو معاملے ہوتے ہیں، لیکن پہلے خریدار کا اصل مقصد نقد رقم حاصل کرنا ہوتا ہے، اس سے ملتی جلتی ایک اور شکل ہے، جس کا فقہاء نے بیع عینہ کے نام سے ذکر کیا ہے، بیع عینہ کی شکل یہ تھی کہ "الف" کو مثلاً ایک ہزار روپے کی ضرورت ہوتی اور اسے اُمید نہیں ہوتی کہ "ب" اسے قرض کے طور پر یہ رقم دیدے گا، اور "ب" کی بھی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اس پر کچھ نفع حاصل کرے تو الف ب سے ایک ہزار کی چیز اُدھار بارہ سو کے بدلہ خرید کرلیتا اور پھر "ب" سے وہی سامان ایک ہزار روپے نقد میں بیچ دیتا، اس طرح "الف" کو ایک ہزار روپے وصول ہوگئے اور "ب" کو دو سو روپے نفع مل گیا۔

تورق منظم میں علاقائی سامان جیسے گاڑی وغیرہ میں، بینک شوروم سے گاڑی خرید تا ہے، پھر اسے ادھار گاہک سے بیچ دیتا ہے، پھر گاہک اس کے بیچنے کا وکیل شوروم کو بنا دیتا ہے، پھر شوروم اسے بینک سے بیچ دیتا ہے، پھر بینک دوسرے گاہک سے بیچ دیتا ہے، اور اس طرح گاڑی کے کاغذات سیکڑوں مرتبہ بینک گاہک اور شوروم کے درمیان گھومتے رہتے ہیں، جبکہ گاڑی اپنی جگہ سے حرکت بھی نہیں کرتی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ معاملہ محض مال کا مال سے تبادلہ ہے اور سامان محض بہ طور یہ داخل کیا گیا ہے اور یہ گردش اگرچہ مشروط نہیں ہے لیکن معروف ہے، اور فقہاء کے یہاں قاعدہ ہے:

المعروف عرفاً كالمشروط شرطا[1]

ترجمہ: جو چیز عرف میں معروف ہو، وہ شرط لگا کر مشروط کرنے کے درجہ میں ہے

اور یہی حال بین الاقوامی سامان میں ہوتا ہے کہ بینک کسی سپلائرز سے دھات خرید تا ہے، اور گاہک کو بیچ دیتا ہے، پھر گاہک کا وکیل بن کر اسے پہلے سپلائر کو دیتا ہے، یا کسی دوسرے سپلائر کو بیچ دیتا ہے جس کا پہلے سپلائر سے اتفاق ہوتا ہے کہ وہ دھات کی ملکیت اس کی طرف منتقل کر دے گا، چنانچہ دھات سے متعلق قبضہ کے سندات اور کاغذات کا تبادلہ ان فریقوں کے درمیان کئی بار ہوتا رہتا ہے، جبکہ دھات اپنی جگہ ثابت رہتی ہے۔ جبکہ بینک اور گاہک میں سے ہر ایک قبضہ سے پہلے سامان کو بیچتا ہے، کیونکہ بینک کا بین الاقوامی سامان پر نہ حقیقی قبضہ ہوتا ہے، اور نہ ہی اس گودام کی اصلی رسید پر قبضہ ہوتا ہے جس میں سامان رکھا جاتا ہے۔ اور گاہک کا تو سامان پر نہ ہی حقیقی قبضہ ہوتا ہے اور نہ ہی حکمی، چنانچہ وہ ایسی چیز کو بیچتا ہے جس پر اس کا قبضہ نہیں ہوتا، بلکہ جو متعین بھی نہیں ہوتی، کیونکہ بینک گاہک کو جو سامان پہنچتا ہے، وہ اسکی مملوکہ اشیاء کا ایک حصہ ہوتا ہے، جس کا تعین کو الٹی نمبر سے ہوتا ہے، اور یہ نمبر چھوٹی اکائیوں کے لئے نہیں ہوتا بلکہ وہ بڑی اکائی کا نمبر ہوتا ہے، جسے بینک تورق کرنے والوں پر بانٹ دیتا ہے۔

جبکہ بیچ سے پہلے قبضہ لازم ہے حکیم بن حزام کی حدیث مرفوع میں ہے:

يا ابن اخي إذا اتبعت شيئا، فلا تبعه حتى تقبضه[2]

ترجمہ: اے بھتیجے جب کوئی چیز خرید وہ تو اسے نہ بیچو، یہاں تک کہ اس پر قبضہ کرلو۔

اسی طرح دھات یا سامان کی سند اور کاغذات کی کاپی پر قبضہ، یا گاڑی کے کسم کارڈ پر قبضہ کرنا شری قبضہ کے وجود کے لئے کافی نہی ہے کیونکہ کاپی ملکیت کی دستاویز نہیں سمجھی جاتی ہے، بلکہ عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ جو شوروم تورق منظم میں بینکوں کے ساتھ تعامل کرتا ہے، وہ ایک ہی وقت میں کئی بینکوں کو ایک ہی گاڑی کو بیچ دیتا ہے، اور ہر ایک کو کسٹم کارڈ کی کاپی حوالہ کر دیا ہے، کیونکہ اسے قطعی طور سے معلوم ہے کہ کوئی گاہک گاڑی حوالہ کرنے کا مطلب نہیں کرے گا۔ اور یہی حال بین الاقوامی تورق میں ہے، چنانچہ سپلائر ایک ہی دھات کو ایک ہی وقت میں کئی بینکوں کو بیچ دیتا ہے، اور اپنے پاس موجود دھات پر قبضہ کی سند کی نقل ہر ایک کے حوالہ کر دیتا ہے۔ منظم تورق میں اگرچہ براہ راست پہلے بیچنے والے کو واپس نہیں بیچا جاتا، لیکن چونکہ بینک ہی سامان کے حصول کا انتظام کرتا ہے اور پھر اس کی فروخت کو یقینی بناتا ہے، تو یہ درحقیقت رقم کے بدلے زیادہ رقم (Money for Money with Excess) کا حصول بن جاتا ہے، جس میں سامان صرف ایک دکھاوا ہوتا ہے۔

إذاتبايعتم بالعينة،وأخذتم أذناب البقر،ورضيتم بالزرع، و تركتم الجهاد، سلط الله عليكم ذلاً لا ينزعه حتى ترجعوا إلى دينكم[3]

ترجمہ: جب تم عینہ کا کاروبار کرنے لگو گے، اور گائے کی دموں کو پکڑ لو گے (یعنی صرف دنیا میں مگن ہو جاؤ گے)، اور کھیتی باڑی پر راضی ہو جاؤ گے، اور جہاد کو چھوڑ دو گے، تو اللہ تم پر ذلت مسلط کر دے گا جو اس وقت تک نہیں ہٹے گی جب تک تم اپنے دین کی طرف رجوع نہیں کر لیتے۔

---

[1] الزرقا، شرح القواعد الفقهية، 3/132، 133

[2] ابن حبان، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث، 1983

[3] أبو داود، سنن أبي داود، كتاب الإجارة، باب في النهي عن العينة، رقم، 3462

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW

CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

یہ حدیث ایسے حیلوں کی مذمت کرتی ہے جو شرعی احکام سے بچنے کے لیے اختیار کیے جائیں۔ منظم تورق میں سامان کا مقصد حقیقی تجارت نہیں بلکہ صرف مالیات کا حصول ہوتا ہے، اس لیے یہ حدیث کے مفہوم میں شامل ہے۔ بین الاقوامی اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ نے بھی تورق کے حوالہ سے اپنی ایک قرارداد میں منظم تورق (Organized Tawaruq) کو ناجائز قرار دیا۔ مفتی محمد تقی عثمانی تورق منظم کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "مروجہ 'منظم تورق (Organized Tawarruq)' جس میں بینک خود ہی سامان فراہم کرتا ہے اور پھر اسے گاہک کی طرف سے بیچ کر نقدی فراہم کرتا ہے، یہ درحقیقت 'عینہ' کی جدید شکل ہے اور سود کا حیلہ ہے۔ اس میں حقیقی تجارت کا مقصد نہیں ہوتا بلکہ صرف نقدی کا حصول مقصود ہوتا ہے، لہٰذا یہ شرعاً ناجائز ہے۔[1]"

اسی طرح اپنی کتاب "فقہی مقالات" میں وہ مزید وضاحت کرتے ہیں" :

> منظم تورق میں بائع اور مشتری کے درمیان کوئی حقیقی تجارتی رشتہ قائم نہیں ہوتا، بلکہ یہ محض ایک کاغذی کارروائی ہوتی ہے تاکہ سود کو حلال شکل دی جاسکے۔ یہ ایک ایسا حیلہ ہے جس سے شریعت کا مقصد فوت ہو جاتا ہے، اور اس سے بچنا ضروری ہے۔[2]"

جمہور فقہاء حنفیہ، مالکیہ، شوافع، حنابلہ نے تورق کو مباح قرار دیا ہے جبکہ امام محمد، علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم کے نزدیک مکروہ ہے، فقہاء نے جس تورق کو جائز قرار دیا ہے، وہ ایسا عمل ہے جو اتفاقی طور پر کوئی شخص نقد رقم حاصل کرنے کے لئے کیا کرتا ہے، اس میں تیسرا شخص یعنی دوسرا خریدار متعین نہیں ہوتا، آج کل اسلامی بینک تیسرے شخص کے کام کو انجام دینے کے لئے مستقل ایک ضمنی کمپنی کو تیار رکھتے ہیں؛ اسی لئے اس کو منصوبہ بند تورق التورق المنظم / Organized Tawarruq) کہتے ہیں، اس شکل کو موجودہ عہد کے اکثر علماء نے ناجائز قرار دیا ہے؛ کیوں کہ یہ بالواسطہ ربا حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

نتائج تحقیق

اس تحقیق سے واضح ہوا کہ اسلامی بینکاری میں استعمال ہونے والے مختلف مالیاتی عقود جیسے مرابحہ، شرکتِ متناقصہ، اجارہ، سلم، استصناع اور تورق میں ضمانت و ملکیت کے اصول شریعت کے مطابق مکمل طور پر نافذ نہیں ہو رہے۔ مرابحہ کے معاملات میں اکثر قبضہ اور ضمانت کی شرائط نظر انداز کی جاتی ہیں، جس کی وجہ سے یہ سودی معاملات کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ شرکتِ متناقصہ میں اگرچہ شراکت اور ملکیت کا تصور موجود ہے، لیکن بعض اوقات بینک حقیقی قبضہ یا ذمہ داری نہیں لیتا، جس سے نفع و نقصان میں غیر شرعی توازن پیدا ہوتا ہے۔ اجارہ میں مؤجر کی ملکیت اور قبضہ کی عدم موجودگی کرایہ وصول کرنے کو غیر جائز بنا دیتی ہے، اور سلم میں راس المال کی عدم ادائیگی یا مؤخر وصولی، معاہدہ کو شرعی اعتبار سے مشکوک بناتی ہے۔ استصناع میں صانع کے ذمہ ضمانت کی غیر واضحیت اور تورق میں حقیقی قبضہ نہ ہونا، دونوں معاملات کو غیر شفاف اور بعض اوقات سود کے قریب تر بنا دیتے ہیں۔ مجموعی طور پر یہ تحقیق اس بات کا عندیہ دیتی ہے کہ اسلامی بینکاری میں رائج مالیاتی عقود کے عملی نفاذ میں شریعت کے اصول خاص طور پر ضمانت اور ملکیت کے حوالے سے کئی خلا موجود ہیں، جو نہ صرف فقہی سطح پر قابل بحث ہیں بلکہ عملی سطح پر بھی بینکنگ نظام کی شفافیت اور شریعت کے مطابق ہونے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

تجاویز اور سفارشات

1. تمام اسلامی بینکوں کو چاہیے کہ مرابحہ، اجارہ، سلم، استصناع اور تورق کے معاہدات میں اصل ملکیت اور قبضہ کی وضاحت کریں، تاکہ نفع صرف اس فریق کو حاصل ہو جو حقیقی ذمہ داری اور خطرہ برداشت کرتا ہو۔
2. بینکوں کو چاہیے کہ تمام معاہدات کے دوران قبضہ، ملکیت کی منتقلی، اور نقصان کے خطرے کی تفصیلات دستاویزی شکل میں فراہم کریں تاکہ کسی بھی غیر شفاف یا مشروط سودی عمل سے بچا جاسکے۔
3. بینکوں میں ایک مستحکم شریعتِ نگرانی (Shariah Compliance) نظام قائم کیا جائے جو باقاعدگی سے تمام مالیاتی عقود کا جائزہ لے اور ضمانت و ملکیت کے اصول کی خلاف ورزی کو فوری درست کرے۔

---

[1] عثمانی، اسلامی بینکاری کی بنیادیں، ص، 180–185

[2] عثمانی، فقہی مقالات، 1/300، 305

4۔ بینک ملازمین اور صارفین کے لیے خصوصی تربیت اور آگاہی پروگرام منعقد کیے جائیں تاکہ تمام فریقین شریعت کے مطابق مالیاتی عقود کی اہم شرائط، خصوصاً ضمانت وملکیت کے اصول، سے مکمل واقف ہوں۔

حوالہ جات

1۔ ابن حبان، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث، 1983

2۔ ابن عابدین، رد المحتار، 5/712

3۔ ابن قاضی، جامع الفصولین، الفصل الثامن عشر في بیع السلم، 1/237

4۔ ابن قدامہ، المغنی، 5/23

5۔ ابن قدامہ، المغني، 5/25

6۔ ابن منظور، لسان العرب، 10/375

7۔ أبو داود، سنن أبي داود، کتاب الإجارة، باب في النهي عن العينة، رقم، 3462

8۔ بخاری، صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب ما يذكر في بيع الطعام والحكرة، 2/234، رقم الحدیث، 2132

9۔ بخاری، صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب بیع السلم، رقم الحدیث، 2240

10۔ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، کتاب الضمان، جلد 5/129

11۔ ڈاکٹر اعجاز احمد صمدانی، اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ کا طریق کار (لاہور، ادارہ اسلامیات، 2006ء)

12۔ ڈاکٹر محمد ایوب، اسلامی مالیات (رفاہ سنٹر آف اسلامک بزنس، اسلام آباد، 2010)

13۔ ڈاکٹر محمد ایوب، اسلامی مالیات، اسلامی بینکاری اصول و تطبیق (کراچی، حق، 2010ء)

14۔ الزحیلی، الدکتور وھبۃ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، 5/381

15۔ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، 5/353

16۔ الزرقا، شرح القواعد الفقہیۃ، 3/133، 132

17۔ السرخسی، المبسوط، 11/218

18۔ السرخسی، المبسوط، 11/152

19۔ عثمانی، اسلام اور جدید معیشت وتجارت، ص، 215

20۔ عثمانی، اسلامی بینکاری کی بنیادیں، ص، 180–185

21۔ عثمانی، فقہی مقالات، 1/305، 300

22۔ کتاب یسألونک عن المعاملات المالیۃ المعاصرۃ۔ بیع العینۃ وبیع التورق- المکتبۃ الشاملۃ، ص 55

23۔ کاسانی، بدائع الصنائع، 4/174

24۔ الکاسانی، بدائع الصنائع، 5/2

25۔ الکاسانی، بدائع الصنائع، 5/6

26۔ مجمع الفقه الإسلامي الدولي، قرارات المجمع الفقهي، 4/110

27۔ محمد بن أحمد السرخسي، المبسوط، کتاب الإقرار، باب ما يثبت بالإقرار، (بیروت، دار المعرفۃ، 1999ء)

28۔ المرغینانی، الهدایہ، 3/98

29۔ المعاییر الشرعیۃ، مادۃ السلم، 1/45

30۔ موسوعہ فقہیہ کویتیہ، مادہ، ضمان (کویت، وزارت الاوقاف والشؤون الاسلامیۃ، 2002)

31۔ وحید الزمان قاسمی کیرانوی، القاموس الوحید (لاہور، ادارہ اسلامیات، 2001ء)

32۔ Dr Imran Ashraf Usmani, Meezan bank guide to Islamic Banking (Karachi, Darul Ishaat, 2002)

33- Mufti Taqi Usmani, An Introduction to Islamic Finance (Idaratul Ma'arif, Karachi, 2002)